(99)

تبلیغِ احمدیّت کی تلقین

فرمودہ ۵، نومبر ۱۹۲۰ء

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

آج مجھے پھر اس سلسلہ مضامین میں ضرورتاً وقفہ ڈالنا پڑا ہے۔ جو مَیں نے پچھلے چند ہفتوں سے شروع کیا ہوا ہے۔

آج میں ایک ایسے اہم فرض کی نسبت آپ لوگوں کو اور پھر اپنے اخباروں کے ذریعہ بیرونی جماعتوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس کی طرف توجہ کئے بغیر اور جس کے لیے کوشش کئے بغیر کسی قسم کی کامیابی اور ترقی کی اُمید نہیں رکھی جاسکتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس امر کے متعلق بارہا میں بھی توجہ دلا چکا ہوں۔ اور جو مجھ سے پہلے تھے وہ بھی توجہ دلا چکے ہیں۔ اور ہماری جماعت کے دوسرے عالم اور واقف لوگ بھی دلا چکے ہیں مگر باوجود اتنی بار توجہ دلانے کے پھر بھی لوگوں کو ابھی تک پورے طور پر اس کی اہمیت اور ضرورت سے واقفیت نہیں ہوئی۔ اور بہت لوگوں کو دیکھا گیا ہے۔ جو توجہ ہی نہیں کرتے۔

وہ امر کیا ہے۔ وہ اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی اشاعت کا معاملہ ہے۔ اس کے متعلق بارہا ہم نے کہا ہے، لیکن باوجود بارہا کہنے کے اب بھی کہنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور ہمیشہ ہی یہ ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ حتیٰ کہ قیامت تک رہے گی، لیکن ایک لحاظ سے کسی امر کا دوبارہ بیان کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ کوئی فعل اس لیے دوبارہ کیا جاتا ہے کہ دوبارہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً ہم صبح کو کھانا کھاتے ہیں اور پھر شام کو۔ اس لیے دوبارہ کھاتے ہیں کہ ہم انسان کی حیثیت سے محتاج ہیں کہ پھر کھائیں کیونکہ خدا نے ہمیں ایسا پیدا کیا ہے کہ ہم جو غذا کھاتے ہیں اس کا کچھ حصہ تو جسم میں داخل ہوجاتا ہے اور کچھ حصہ فضلہ بن کر باہر نکل جاتا ہے۔

اس دوبارہ کھانے کا افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ سنت اللہ کے مطابق ہے۔ اور اس کے سوا

چارہ نہیں ہے۔

اسی طرح ہم نماز پڑھتے ہیں۔ ایک دن ظہر کی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوسرا دن آتا ہے۔ پھر پڑھتے ہیں۔ تیسرے دن پھر پڑھتے ہیں۔ عصر مغرب۔ عشاء اور صبح کی نمازیں بھی روزانہ پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ پھر پڑھتے ہیں۔ اور پھر پڑھتے ہیں اچھی اور عمدہ باتوں کو پڑھتے ہیں۔ پھر اور پھر اور پھر پڑھتے ہیں۔ اور کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ان کا پڑھنا چھوڑ دینگے۔ اگر کوئی دوسرا چھوڑ دینے کے لیے کہے۔ تو ناراض ہوتے ہیں، لیکن ہمیں ان سب باتوں کے دہرانے کا کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہے، لیکن ایک کھانا ایسا ہوتا ہے۔ جس کے دوبارہ کھانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ایک نماز ایسی ہوتی ہے کہ اس کے دوبارہ پڑھنے سے رنج ہوتا ہے۔ تکلیف دہ کھانا وہ ہوتا ہے کہ جب کہ بیماری کی وجہ سے پیٹ نہیں بھرتا اور بار بار کھانا کھانا پڑتا ہے۔ ایسا انسان اس لیے کھانا نہیں کھاتا کہ پہلا کھایا ہوا ہضم ہوگیا۔ بلکہ اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے اس کا پہلا کھانا نہ کھانے کے برابر ہوگیا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیس بیس آدمیوں کا کھانا کھا جاتا ہے اور کھاتے کھاتے کھانے کا دوسرا وقت آجاتا ہے۔ مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ ایک بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ نماز جو ہم دوسرے دن پڑھتے ہیں۔ اس کا افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ پہلے دن کی نماز کا وقت گیا اور اس سے ہم نے فائدہ اُٹھالیا۔ اب دوسرے دن کی نماز کا وقت آیا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھانا ہے۔

لیکن ایک ایسی نماز جو اس وجہ سے پڑھی جائے کہ پہلی پڑھی ہوئی نماز ضائع گئی ہے۔ تو اس کا ہم پر بوجھ ہوگا۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر پہلی نماز ٹھیک طور پر پڑھی جاتی تو اب جو وقت صرف ہوگا وہ کسی اور کام میں لگ جاتا۔ مثلاً اسی وقت میں اگر چار رکعت نفل پڑھے جاتے تو رُوحانیت میں اور زیادہ ترقی ہوجاتی۔

تبلیغ کے لیے میں ہمیشہ یاد دلاتا رہا ہوں۔ اور کبھی کوئی ایسا زمانہ نہ آئیگا۔ کہ ہم زندہ ہوں اور ہماری اولادیں زندہ ہوں اور اس کے متعلق یاد نہ دلایا جاتے۔ مگر وہ یاد دلانا ایسا ہی ہوگا۔ جیسا کہ ہم دوسرے وقت کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن اب یاد دلانا تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے۔ پہلا یاد دلانا ضائع گیا اور اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا گیا۔

اگر پہلی تقریروں کا اثر ہوتا۔ اور لوگ اس طرف متوجہ ہوجاتے۔ تو ایک دفعہ پڑھا ہوا سبق

دوبارہ یاد کرانے اور دُہرانے سے زیادہ اچھی طرح یاد ہو جاتا ہے۔اسی طرح دوبارہ یاد دلانے سے ان کے قلب پر گہرا نقش ہوتا، لیکن جب معلوم ہو کہ پہلے جو سبق دیا گیا ہے۔ اس کا یاد کرنا تو الگ رہا۔ اُسے سُنا ہی نہیں۔ تو پھر دوسری بار سبق دیتے ہوتے بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

پس گو یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ہمیشہ دوہرایا جائیگا۔ اور اس کا دہرانا ضروری ہے مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اب جو دوہرایا جاتا ہے۔ تو اس لیے نہیں کہ پہلا وقت گزر گیا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ پہلا کہنا ضائع گیا۔ بہت لوگ تو ایسے ہیں جو سُنتے ہی نہیں۔ بہت ہیں جو سُنتے ہیں۔ مگر توجہ نہیں کرتے۔ اور بہت ہیں جو سُنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے اور بہت ہیں جو عمل کرتے ہیں۔ مگر ایسے طریق پر عمل کرتے ہیں کہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ اور بہت ایسے ہیں جو سنتے ہیں عمل کرتے ہیں۔ ان کے عمل کے نتیجے بھی نکلتے ہیں۔ مگر اس کا ان کو مزا نہیں پڑتا۔ اس لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

غرض کئی قسم کے لوگ ہماری جماعت میں ہیں بعض تو ایسے ہیں۔ جو سالہا سال سے سنتے چلے آتے ہیں کہ ان کا مان لینا ہی فرض نہیں۔ بلکہ دوسروں کو منوانا بھی فرض ہے۔ مگر کبھی ان کے دل میں تحریک نہیں ہوئی کہ دوسروں کو منوانے کی کوشش کریں۔ وہ سنتے ہیں۔ مگر توجہ نہیں کرتے۔

میرے چھوٹے بھائی میاں بشیر احمد نے سنایا کہ کالج میں ایک لڑکا پڑھا کرتا تھا۔ وہ سُنایا کرتا کہ میرا باپ بڑا نیک ہے۔ کئی سال سے وہ احمدی ہے مگر اس نے مجھے کبھی نہیں کہا کہ تم بھی احمدی ہو جاؤ۔

تو بعض ایسے ہیں۔ جو سالہا سال سے سنتے چلے آتے ہیں مگر ذرا ان کے کان پر جُوں نہیں رینگتی۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان باتوں کے مخاطب اور لوگ ہیں۔ ہم نہیں ہیں اور بعض ایسے ہیں جو سنتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ دوسروں کو تبلیغ کرنا ضروری ہے۔ لیکن باوجود اس کے توجہ نہیں کرتے۔ پھر بعض ایسے ہیں۔ جو سُنتے ہیں۔ سمجھتے ہیں اور توجہ بھی کرتے ہیں مگر اس طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ ایک شخص مکان میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہو۔ لیکن مکان کی طرف جانے کی بجائے دوسری طرف چل پڑے۔ جس طرح وہ جتنے قدم اُٹھاتا ہے۔ مکان سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح ایسے لوگ جس قدر کوشش کرتے ہیں۔ اسی قدر اصل مقصد سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

پھر بعض ایسے ہیں کہ کوشش کرتے ہیں۔ صحیح طور پر کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کی کوشش کا نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ مگر جس طرح ہنڈیا کا اُبال جھٹ بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

ان کی کوشش عارضی اور ان کا جوش وقتی ہوتا ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ سال کام کرکے اپنے خیال میں پنشن لے لیتے ہیں۔ حالانکہ دینی معاملات میں پنشن اس دُنیا میں مل ہی نہیں سکتی۔ اگلے جہان میں جاکر ملے گی۔ پس ان کو پنشن نہیں ملتی۔ بلکہ ان کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسا کہ کوئی شخص ۱۵۔ ۲۰ سال ملازمت کرکے استعفیٰ دیدے۔ جس طرح اس غریب کی پندرہ بیس سال کی ملازمت کا اسے کچھ بدلہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح ان کا حال ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک۔ کیونکہ وہ اپنی عمر کی محنت کو رائیگاں کردیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جن فضلوں کے ملنے کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے۔ ان کو لات مار کر رد کردیا جاتا ہے۔

ایسی حالت میں جہاں میں دوبارہ اپنی جماعت کو یہ بات کہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں وہاں یہ میرے لیے تکلیف دہ بھی ہے۔ پس میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ ہماری جماعت اس بات کو سمجھے اور خوب یاد رکھے مگر یاد رکھنا کیا مَیں تو یہی کہونگا کہ سُن لے اور سمجھ لے۔ کیونکہ یاد تو وہی بات رکھی جاتی ہے جو سن اور سمجھ لی جائے۔ مگر یہ بات تو ایسی ہے۔ جسے ابھی بہتوں نے سُنا ہی نہیں۔ اور اگر سنا ہے تو سمجھا ہی نہیں پس میں یہی نہیں کہتا کہ اس بات کو یاد رکھو۔ کیونکہ بہت کم ہیں جنہیں یاد رکھنے کے لیے کہا جاسکتا ہے۔ اور بہت ایسے ہیں جنہوں نے سُنا ہی نہیں۔ اس لیے مَیں کہتا ہوں۔ وہ سُنیں اور جنہوں نے سُنا ہے۔ وہ یاد رکھیں۔ اور جنہوں نے یاد کرکے بُھلا دیا ہے۔ وہ یاد کریں۔ اور یاد رکھیں کہ تبلیغ اور سچے سلسلہ کی اشاعت مولویوں کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی۔ مولویوں کا اور کام ہوا کرتا ہے۔ ان کی مثال خزانچی کی سی ہوتی ہے۔ اور ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ ہتھیاروں اور دوسرے سامان کو جمع کریں اور اس کی حفاظت کریں۔ وہ افسر لیڈر اور خزانچی کا کام دے سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ تمام فوج ان سے بھرتی کی جائے۔

جس طرح کوئی فوج ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں تمام افسر ہی افسر ہوں اور وہ دشمن سے لڑکر فتح پائیں۔ اسی طرح کوئی سلسلہ ترقی نہیں کرسکتا جس کا سارا کام صرف علماء کے سپرد ہو۔ اور شریعت نے تبلیغ کا کام صرف علماء ہی کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران: ۱۱۱) اس میں سب کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ صرف علماء لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ تم سب دُنیا کے فائدہ کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔

پس ہر ایک وہ شخص جو اسلام قبول کرتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ہر ایک وہ شخص جو احمدیت قبول کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ تبلیغ کرے۔ کیونکہ کوئی سلسلہ ترقی نہیں کرتا جب تک اس کی تبلیغی

کوشش کا انحصار صرف علماء پر ہو۔ علماء کا کام ہی اور ہے اور وہ افسروں اور راہ نماؤں کا کام دے سکتے ہیں۔
جس طرح افسر فوجی سپاہیوں کا سارا کام سر انجام نہیں دے سکتے۔ اسی طرح علماء بھی تبلیغ کا سارا کام نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو ان کی نگہداشت میں کام کریں اور ان سے تربیت حاصل کر کے خود عمل کریں۔ کیونکہ دوسرے لوگوں کو عوام کے ساتھ ملنے کے موقع ملتے رہتے ہیں۔ اور اس میل جول سے جس قدر ان کو لوگوں کی طبائع کی واقفیت ہوتی ہے۔ اتنی علماء کو نہیں ہوتی۔ کیونکہ عوام علماء سے نہیں ملتے اور نہ ملنا چاہتے ہیں۔ دیکھو عام لوگ عیسائیوں سے ملتے اور باتیں کرتے ہیں، لیکن پادریوں سے نہیں ملتے ہیں۔ اسی طرح عوام علماء سے نہیں ملتے۔ دوسرے لوگوں سے ملتے ہیں کیونکہ ان سے نڈر ہوتے ہیں۔ اور علماء کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ان کے پاس گئے۔ تو شکار ہو جائیں گے لیکن اگر ہماری جماعت کے عام لوگ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کریں کہ ملنے والوں کو پکڑ سکیں۔ تو جو شخص ان سے ملے گا۔ وہ شکار ہو جائے گا۔

پس صرف علماء پر تبلیغ کا دارومدار رکھنا درست نہیں اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسے محدود اور تنگ حلقہ میں تبلیغ کو محصور کر دیا جائے کہ جس سے نکل ہی نہ سکے۔ کیونکہ کوئی بڑا ہی شوقین جوش والا۔ اور تیز طبع رکھنے والا ہو۔ تو علماء کے پاس آنے کی جرأت کرے گا۔ ورنہ جب عوام کو معلوم ہو کہ یہ علماء ہیں تو کہیں گے کہ ہم مولوی ثناء اللہ کو لائیں گے تب باتیں سنیں گے۔

تو علماء کا کام لیڈری اور راہ نمائی ہے اور یہ کام کہ عوام کے اندر گھس کر ان کو تبلیغ کریں۔ عام لوگوں کا ہے۔ وہی ان کے اندر جا کر ڈائنامیٹ کا کام دے سکتے ہیں۔ جس طرح عمارت کے نیچے بارود رکھ کر آگ دینے سے وہ اڑ جاتی ہے۔ اسی طرح عوام لوگوں کے اندر گھس کر کام دے سکتے ہیں۔ اس لیے ہماری جماعت کے ہر ایک شخص کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور تبلیغ میں لگ جانا چاہیئے۔

پھر یہ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ تبلیغ صرف دلائل سے نہیں ہوتی۔ تبلیغ اخلاق۔ محبت۔ پیار اور اُلفت سے ہوتی ہے جس کے دل میں کسی کا درد ہوتا ہے۔ اس کی طرف وہ خود بخود کھینچا چلا آتا ہے۔ تم اس طریق کو بدل دو۔ جو بحث مباحثہ کا ہے۔ اس طرز عمل کو بدل دو کہ وفاتِ مسیح کی دلیل کا جواب جب کوئی نہ دے سکے۔ تو اس پر قہقہہ لگایا جائے کہ چپ ہو گیا ہے۔ تم اس طریق پر عمل کرو کہ تمہیں ہارنا منظور ہو۔ مگر تمہاری باتوں میں ہمدردی اور اخلاص پایا جائے۔ یہ طریق ہے کامیابی حاصل کرنے کا۔ وہ شخص جو بحث اس لیے کرتا ہے کہ مجلس میں اپنا رنگ جمائے۔ اس کی باتوں کا اثر

صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ لوگ ہنس دیتے ہیں۔ مگر وہ جو اس لیے بحث کرتا ہے کہ لوگ ہدایت پائیں۔ اس کی باتوں کا اثر گہرا ہوتا ہے۔

مگر بہت لوگ ایسے ہیں جو بحث بحث کے لیے کرتے ہیں اور یہ بات مدنظر رکھ کر دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں کہ انہیں ایسے دلائل معلوم ہیں جن سے مخالف کو چپ کرا دیں اور لوگوں میں بتائیں کہ وہ کیسا کمزور اور بے علم ہے حالانکہ صداقت کے پہنچانے اور ہدایت کی طرف لانے کا یہ ذریعہ نہیں ہے۔

بعض اوقات کسی شریر کے مقابلہ میں یہ ذریعہ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ وہ عوام پر اس طرح اثر ڈالنا چاہتا ہو کہ میں بڑا عالم ہوں اور میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، لیکن عوام کے لیے یہ طرزِ عمل مفید نہیں ہو سکتا۔ ان کے لیے یہی ہے کہ محبت اخلاص اور ہمدردی سے انہیں سمجھایا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اثر کر جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی تو بڑا تغیر پیدا کر دیتا ہے اور دوسرا ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پاس رہنے والوں کو بھی متاثر نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں وہ جوش وہ تڑپ وہ ہمدردی وہ اخلاص نہیں ہوتا۔ جو دوسرے کے دل میں ہوتا ہے۔

تو خالی دلائل سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ جب تک اپنے اندر محبت۔ اخلاص سوز اور گداز نہ ہو۔ یہ اپنے اندر پیدا کرو۔ ان کے پیدا ہونے پر خود بخود تمہاری باتوں کا لوگوں پر اثر ہوگا۔ اور اگر تم منہ سے نہ بھی بولو گے۔ تو بھی تمہارے قلب کا اثر کام کرتا رہے گا۔ صلحاء اور اولیاء کی مجلسوں میں بیٹھنے کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس کے لیے ان کے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انکے سانس لینے۔ ان کے دیکھنے اور ان کے چھونے میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور ان کے جسم سے نورانی شعاعیں نکلتی ہیں۔ ان کا اثر ہوتا ہے۔

پس اپنے اندر وہ سوز اور گداز پیدا کرو کہ لوگ خود بخود تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں۔ اور ہر ایک اس فرض کو سمجھے تا ایسا نہ ہو کہ ہماری کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔

اوّل یہ سُن لو کہ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ اشاعت اسلام کرے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے لیے جو ذرائع ہیں۔ جب تک ان سے کام نہ لیا جائے۔ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ تمہارے دل میں لوگوں کا پیار۔ محبت اخلاص ہونا چاہیئے اور ان کے لیے اپنے اندر قربانی کے جذبات پیدا کرنے چاہئیں۔ اس کو دیکھ کر لوگوں میں تمہاری باتیں سُننے۔ سمجھنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا خیال ہوگا، لیکن اگر تم

کسی پر اس طرح کوئی اثر نہیں ڈال سکتے اور اس کو اپنی باتوں کی طرف متوجہ نہیں کر سکتے۔ تو پھر دلائل سنانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے عملی طور پر انہیں اپنی ہمدردی اور اخلاص کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے اور جب کسی کے اندر ہمدردی اور اخلاص اور درد پیدا ہو جاتے تو پھر اس کو بتاتے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خود بخود اس کا احساس ہونے لگ جاتا ہے۔ بیٹری پکڑو تو آپ ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں بجلی ہے۔ اسی طرح جس کے دل میں خدا کی محبت اور اخلاص ہو۔ وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جس کے پاس سے گزرتا ہے وہ خود بخود اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔

دیکھو مقناطیس کے ساتھ لوہے کو اُٹھا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مقناطیس خود بخود لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح وہ انسان جو قوتِ مقناطیسی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ اس کو بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خود بخود اس کا اثر پڑتا ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ گونگا بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ وہ زبان سے بھی کام لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی طرح آنکھ سے دیکھتا۔ ہاتھ سے چھوتا ہے مگر اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس سے دوسرے کا قلب صاف ہوگا۔ وہ نگاہ ڈالتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا اثر ہوگا۔ وہ بات کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بے اثر نہ رہے گی۔ اسی طرح وہ اپنے ہر ایک عضو کو اثر ڈالنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور جب وہ اس قدر ہتھیاروں سے کام لیتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس جس کی زبان۔ آنکھ۔ قلب اور جسم میں اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر آگ نمودار ہو جاتی ہے۔ اور جہاں آگ ہو گی اثر کئے بغیر نہیں رہے گی۔ اگر کسی مکان میں آگ جلا دو۔ تو وہ گرم ہو جائے گا۔ اسی طرح جب کسی انسان کے اندر خدا کی محبت کی آگ پیدا ہوتی اور قلب میں ہمدردی کی آگ بھڑکتی ہے تو جسم۔ زبان۔ آنکھ۔ ہاتھ میں اس کی تاثیر آجاتی ہے۔

پس تم اپنے اندر ایسی آگ پیدا کرو اور اس کو پیدا کر کے لوگوں سے اخلاص اور محبت سے بات چیت کرو۔ کسی مسئلہ کے متعلق دلائل جاننے کا ثبوت دینے کے لیے نہیں۔ بحث کرنے کے لیے نہیں۔ چُپ کرانے کے لیے نہیں۔ بلکہ اس طرح ان سے ہمدردی کرو جس طرح ڈوبنے والے کو بچانے کے لیے کی جاتی ہے۔

تم مقناطیس بن جاؤ کہ لوگ خود بخود کھنچے آئیں۔ تم آگ ہو جاؤ کہ لوگوں کے خس وخاشاک جل جائیں اور تمہارے ذریعہ پاک وصاف ہو جائیں۔ لیکن اگر تم نے علماء پر بھروسہ رکھا۔ اور خود کچھ نہ

کیا تو قیامت آجائے گی، مگر تم وہ دن نہ دیکھو گے۔ جو کامیابی کا دن ہے اور اس فرض کو پورا نہ کر سکو گے جس کے لیے کھڑے کیے گئے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دے کہ وہ تبلیغ دین میں پوری کوشش اور ہمت سے لگ جائے اور ایسے طریق اختیار کرے جو کامیابی کے لیے مقرر ہیں۔"

(الفضل ۱۵ر نومبر ۱۹۲۰ء)